Fikr-o-Nasar (Islamabad) 13:8 (1976)

جہیز کی شرعی حیثیت

مفتی محمد رفیع اللہ

لفظ جہیز کی لغوی تحقیق جہیز اصل میں عربی کے لفظ "جھاز" سے ماخوذ ہے بلکہ اس کا امالہ کیا گیا ہے اور عربی "جَھاز" (جیم کے زبر کے ساتھ) کے معنی تیاری' اور اسباب وسامان مہیا کرنے کے آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ الجَھاز والجِھاز۔ للبیت اوللمسافر او للعروس۔ گھر یا مسافر یا دلہن کا احتیاجی سامان۔

• حدیث میں ہے، من لم یغز ولم یجھز غازیا، جس نے نہ خود جہاد کیا نہ کسی جہاد کرنے والے کا سامان تیار کر دیا۔

حضرت علیؓ کا قول ہے: لا یجھز علی جریحھم۔ یعنی باغیوں میں جو لوگ زخمی ہوں ان کو قتل نہ کیا جائے۔

ایک دوسری روایت میں ہے: اذا مات المیت فخذ فی جھازہ وعجلہ۔ جب کوئی مر جائے تو اس کے کفن دفن کا سامان کرو اور جلدی کرو۔

معلوم ہوا کہ جہاز کے معنی سامان سفر اور اس ساز و سامان کے ہیں جو کسی کی ضرورت کا ہو۔ ابن فارس کہتے ہیں کہ اس کے بنیادی معنی ایسی چیز کے ہوتے ہیں جسے خریدا اور حاصل کیا جا سکے۔

عربی لغت کے مشہور عالم ابن منظور لکھتے ہیں:

وجھز جَھازا العروس والمیت وجھاز ھما ما یحتاجان الیہ وکذلک جھاز المسافر[1]	دلہن اور میت کا جہیز (تیاری) وہ ہے جس کی ان دونوں کو ضرورت ہوتی ہے اور اسی طرح مسافر کا جہیز ہے۔

اقرب الموارد میں ہے:

(جهز) الشیٔ: هیأه و- المیت: اعد مایلزمه والعروس: اعد لها جهازها و- المسافر هیأ له ادواته، وفی القرآن الکریم "فلما جهزهم بجهازهم قال ائتونی بأخ لکم من ابیکم" ۲ہ

یعنی کسی چیز کا تیار کرنا اور مہیا کرنا جہیز کہلاتا ہے، کہا جاتا ہے میت کا جہیز تیار کیا یعنی اس کی تکفین و تدفین کے لوازمات مہیا کر دیئے۔ دلہن اور مسافر کے لئے ان کے جہیز (ضروریات) کا انتظام کیا قرآن کریم میں ہے "اور جب حضرت یوسفؑ نے ان کا سامان تیار کر دیا تو فرمایا اپنے علاتی (باپ شریک) بھائی کو بھی ساتھ لانا۔"

جَہاز مفرد ہے اس کی جمع اجھزۃ اور جمع الجمع اجھزات آتی ہے۔

علمائے لغت کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ لفظ جہیز کا اطلاق مطلق تیاری، اسباب و سامان، اور کسی کے لئے ضروری اشیاء کی فراہمی پر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے سامانِ جنگ، مسافر کی ضروریات، میت کی تکفین و تدفین کے لوازمات کی فراہمی، نیز شادی بیاہ کے وقت لڑکیوں کو بنیادی ضروریات کی چیزیں دینے کو جَہاز اور جہیز وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

عرف میں لفظ جہیز کا اطلاق صرف موخر الذکر صورت پر ہوتا ہے۔ یعنی ہمارے ہاں جہیز اس سرو سامان کو کہتے ہیں جو لڑکیوں کو شادی بیاہ کے وقت میکے سے ملتا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا میں جہیز (DOWRY) کی تعریف یوں کی گئی ہے:

وہ جائداد (مال) جو کوئی عورت اپنی شادی کے موقعہ پر ساتھ لائے یا اس کو اس کی شادی کے موقعہ پر دیا جائے۔ ۳ہ

رسمِ جہیز کا تاریخی پس منظر

یقینی طور پر یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ جہیز کی رسم کب اور کہاں سے شروع ہوئی۔ تاریخی روایات سے اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ کن بات سامنے نہیں آتی۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جہیز کی رسم نہایت قدیم زمانہ سے چلی آرہی ہے اور تاریخ کے ہر دور میں لوگ یہ رسم ادا کرتے رہے ہیں لیکن تاریخی شواہد سے اس تصور کی تائید نہیں ہوتی۔ البتہ جرجی زیدان کے مطابق بابلی تہذیب (۲۲۵۰ قبل المسیح) میں یہ رسم بڑی حد تک موجود تھی۔ وہ لکھتا ہے:-

ومن شروط الزواج عندهم ان الرجل یقدم للفتاۃ مالا من قبیل المھر الشائع فی الشرق یسمونہ حق العروس ای ثمنھا، وھی تأتی من بیت أبیھا بمال یسمونہ المھر" الدوطۃ" فکأن البابلیین الفوا فی حقوق الزواج عندھم بین عادات الشرق والغرب۔ [۴]

یعنی ان کے ہاں یہ شرائطِ نکاح میں سے تھا کہ بوقتِ نکاح مرد عورت کو مال پیش کرے جسے مشرق میں مہر کہا جاتا ہے اور اس کو وہ لوگ دلہن کا حق کہتے تھے اور لڑکی میکے سے مال و دولت ساتھ لائے جسے دوطہ (جہیز) کہتے تھے، تو گویا بابلیوں نے اپنی شادی بیاہ کی رسومات میں مشرقی و مغربی عادات و اطوار کا ایک حسین امتزاج پیدا کر لیا تھا۔

اس سے یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ بابلی تہذیب میں مرد کے ذمہ مہر ہوتا تھا اور عورت میکہ سے جہیز میں مال و دولت ساتھ لاتی تھی۔

ایک امتیازی پہلو اس کا یہ بھی ہے کہ لڑکی اپنے ساتھ جہیز میں جو کچھ لاتی وہ تنہا اسی کی ملکیت تصوّر ہوتا تھا جیسے ہمارے ہاں دستور ہے۔ یورپ میں لڑکی جو رقم وغیرہ جہیز کے نام سے اپنے ہونے والے شوہر کے یہاں لاتی ہے، اس کی ہمارے جہیز سے کوئی نسبت نہیں کیونکہ یورپ میں یہ رقم شوہر کی ملک تصوّر کی جاتی ہے، عورت کا اس میں کوئی حق نہیں ہوتا۔ اس لئے بابلی تہذیب کا جہیز مسلمانوں میں رائج جہیز سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے۔ جرجی زیدان لکھتے ہیں:۔

ثم ان المھر الذی تأتی بہ المرأۃ من بیت أبیھا یکون ملکھا وحدھا۔ [۵]

پھر وہ جہیز جو عورت میکے سے ساتھ لاتی ہے، صرف اسی کی ملکیت ہوتا ہے۔

جرجی زیدان کے بقول جہیز اور مہر کی یہ رسم اس وقت صرف انہی لوگوں میں رائج تھی۔ ان کی ہم عصر دوسری قوموں میں یہ چیزیں نہیں تھیں [۶] بلکہ قدیم تہذیبوں کے بارے میں جتنی تاریخی شہادتیں اس وقت ہمیں دستیاب ہیں ان سب سے اس کی نفی ہوتی ہے۔ چنانچہ ہسٹری آف یورپین مارلس، کے مؤلف کے بقول دنیا کی قدیم تہذیبوں میں شادی بیاہ باقاعدہ خرید و فروخت کی صورت میں ہوتا تھا لڑکی کا ہونے والا شوہر اپنے خسر کو ایک معین رقم دیتا تھا۔ یہ رقم لڑکی کی قیمت سمجھی جاتی تھی اور لڑکی شوہر کی زرخرید کنیز بن جاتی تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ ہندو قانون کو چھوڑ کر باقی تمام لوگوں میں یہ دستور

عام تھا۔ چنانچہ اسرائیلیوں اور یونانیوں میں اس رواج کے عام ہونے کی تحریری شہادت موجود ہے[۷] البتہ یونان میں ایک زمانہ کے بعد اس دستور میں یہ ترمیم ہوئی کہ یہ رقم اب بجائے قیمت کے جہیز کے نام سے لی جانے لگی۔ یعنی اب لڑکی کا ولی یہ رقم اپنے لئے نہیں لیتا تھا بلکہ لڑکی کی تیاری پر صرف کرتا اور اسی سے لڑکی کا جہیز تیار ہونے لگا۔

یونانی تہذیب میں عورت کی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے "لیکی" لکھتے ہیں :۔

البتہ وہ اپنے ساتھ جہیز ضرور لاتی تھی، اور اپنی لڑکیوں کو بھی شادی کے وقت جہیز دینا اس کے فرائض میں داخل تھا[۸]

لیکن جو لوگ یونانی تہذیب پر نظر رکھتے ہیں وہ اس جہیز کی حقیقت کو خوب سمجھتے ہیں۔ جس معاشرے میں عورت کی حیثیت ایک مملوکہ جانور سے زیادہ نہ ہو وہاں عورت کو میکے سے کچھ دینے کا تصور کس قدر عجیب معلوم ہوتا ہے۔

جرمن معاشرے میں اس سے مختلف یہ دستور رائج تھا کہ نہ تو لڑکی کا ہونے والا شوہر اپنے خسر کو لڑکی کی قیمت دیتا تھا، نہ لڑکی میکے سے جہیز ساتھ لاتی تھی بلکہ نکاح کے دوسرے دن صبح شوہر خود بیوی کے ہاتھ میں کچھ رقم دیتا۔ یہی رقم آگے چل کر ان میں مہر کے نام سے موسوم ہوئی۔

رومی قانون کے بارے میں "لیکی" لکھتا ہے کہ ان میں جہیز یا دلہن کے والد کو نذرانہ دینے کی رسم کچھ بھی نہ تھی۔[۹]

جہاں تک عرب کی جاہلی تہذیب کا تعلق ہے تو اس کے متعلق ایسی کوئی تاریخی شہادت موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ان میں جہیز کے نام سے کوئی رسم موجود تھی۔ بلکہ اس کے برعکس عربوں میں یہ عام رواج اور دستور تھا کہ لڑکی کا حق مہر (صداق) بھی اس کے اولیاء خود لے لیا کرتے تھے۔ اس میں سے بھی لڑکی کو کچھ دینا ان کو گوارا نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان کی اس خصلت کی متعدد آیات میں اصلاح کی ہے مثلاً "وآتوا النساء صدقاتهن نحلة" میں اسی خصلت کی اصلاح کا ذکر ہے کہ مہر عورت کا حق ہے صرف اسی کو دینا چاہیئے۔ شوہر یا باپ دادا کو اس میں لڑکی کی اجازت کے بغیر کسی قسم کے تصرف کا کوئی اختیار نہیں ہے۔ جواد علی، جاہلی تہذیب کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :

والظاهر ان اكثرية الاولياء كانت تأكل۔ یعنی ظاہر یہ ہے کہ اولیاء کی اکثریت عورتوں کا یہ

ذالك الحق و تستوفی علیہ [۱۰]

حق (مہر) لے کر خود کھا لیا کرتے تھے۔

مؤلف اعانۃ الطالبین لکھتے ہیں:

لأنهم فی الجاهلیة یأخذونها ولا یعطون النساء منها شیئًا بل بقی منه بقیة الآن فی بعض البلاد۔ [۱۱]

کیونکہ زمانہ جاہلیت میں اولیاء (مہر) خود لے لیا کرتے تھے اور عورتوں کو اس سے کچھ نہ دیتے تھے بلکہ آج بھی بعض علاقوں میں یہ رسم موجود ہے (کہ لوگ لڑکیوں کا مہر لے کر خود ہضم کر لیتے ہیں)

یہی وجہ تھی کہ جب ان میں کسی کے یہاں لڑکی پیدا ہو جاتی تھی تو دوسرے لوگ نومولود کے باپ کو "هنیئًا لك النافجة" وغیرہ الفاظ سے مبارکباد دیتے ہیں کہ اب تو اس کا مہر لے کر اپنے مال کے ساتھ ملائے گا جو تیری دولت کی زیادتی کا موجب ہوگا۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ عربوں کے متعلق تو مشہور یہ ہے کہ وہ لڑکیوں کی پیدائش پر رنج و غم کا اظہار کرتے تھے اور نومولود بچیوں کو زندہ در گور کر دیا کرتے تھے مگر حقیقت اس کے بالکل برخلاف ہے۔ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کا دستور عام عربوں میں قطعاً رائج نہیں تھا۔ بنو اسد اور بنو تمیم کے چند گنتی کے لوگ یہ کام کرتے تھے۔ زیب داستان کے لئے اسی کو لوگوں نے عربوں کے جاہلی دور کا دستور قرار دیا جس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ لڑکیوں کی پیدائش پر اس قسم کے اظہارِ خوشی کا ذکر تقریباً سب ہی مؤرخین نے کیا ہے۔ محمد طلعت حرب لکھتے ہیں:

كانت العرب تقول اذا ولدت لاحدهم بنت "هنیئًا لك النافجة" ای المعظمة لمالك لانك تأخذ مهرها فتضمه لمالك فینتفج۔ [۱۲]

یعنی جب کسی کی لڑکی پیدا ہو جاتی تو عرب کہا کرتے تھے۔ یہ بڑائی تجھے مبارک ہو کیونکہ تو اس کا مہر لے کر اپنے مال سے ملائے گا جس سے تیرا مال بڑھے گا۔

ان تاریخی شواہد سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عربوں کے جاہلی دور میں عورت کس قدر مجبور و بے بس تھی۔ جس تہذیب میں عورت کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا جاتا ہو کہ وہ اپنے حقوق تک کا نہ پوچھ سکے جہاں عورت اموال و جائداد کے ساتھ وراثت میں قابل تقسیم سمجھی جاتی ہو ایسی سوسائٹی میں لڑکیوں کو میکے سے کچھ دینے کا تصور کس قدر عجیب معلوم ہوتا ہے۔

پھر اس سے بڑھ کر تعجب کی بات یہ ہے کہ مؤرخین نے عربوں کی جاہلی تہذیب و معاشرت کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ پیدائش سے لے کر مرنے تک ایک ایک رسم کا تذکرہ ان کے یہاں ملتا ہے۔ خاص کر شادی بیاہ کی رسومات کا حال تفصیل سے مؤرخین نے لکھا ہے، مگر لڑکیوں کو جہیز دینے کی رسم کا کہیں نام و نشان بھی نظر نہیں آتا۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ظہورِ اسلام سے قبل جزیرہ نمائے عرب میں یہ رسم کہیں بھی موجود نہیں تھی۔

قدیم ہندو تہذیب کے مطالعہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان میں جہیز کے نام سے کوئی رسم موجود نہیں تھی بلکہ ہندوؤں میں ایک دور میں شادی باقاعدہ خرید و فروخت کی صورت میں انجام پاتی تھی، لڑکا' لڑکی کے والد کو ایک بھاری رقم دے کر لڑکی کو خرید لیا کرتا تھا ہندوؤں کے اس رواج کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر جان۔ ڈی۔ مین لکھتے ہیں:۔

"چونکہ قدیم قانون میں جائز اور قابل پابندی ازدواج بیع کی شکل میں ہوتا تھا، اس لئے جیسا کہ الپستمبا کہتے ہیں، ویدوں نے ضابطے کی پابندی کے لئے یہ انتظام کیا کہ لڑکی کو دینے کے قبل ایک معقول عطیہ لیا جائے (مثلاً ایک رتھ یا سو گائیں) اگرچہ وہ عطیہ فوری بعد معطی کو واپس ہو جاتا ہو۔ یہ دوسرا طریقہ تھا جو بیع کی شکل کو باقی رکھنے کے لئے اختیار کیا گیا۔"[۳۱]

گویا قدیم ہندو قانون کی رو سے عورت ایک قابل بیع و شراء چیز تھی جسے باقاعدہ خریدا اور بیچا جاتا تھا۔ ویدا میں اس قدیم اور پرانے رواج کو اس طرح ختم کیا گیا کہ اس کی ظاہری صورت تو جوں کی توں باقی رکھی گئی یعنی لڑکی کی قیمت کے بجائے اس کے ہونے والے شوہر سے ایک معقول عطیہ لئے جانے کا تصور پیش کیا گیا۔ لیکن یہ عطیہ خود رکھنے کے بجائے دینے والے کو واپس کرنے کا حکم دیا گیا اور اس طرح گویا حقیقی بیع و شراء کا قانونی اور مذہبی طور پر انسداد کیا گیا۔

منو شاستر (باب ۹) ۹۸ میں ہے:۔

شودر کو بھی نہیں چاہیئے کہ بیٹی دیتے وقت روپیہ لیوے کیونکہ جو روپے لے کر بیٹی دیتا ہے وہ بیٹی کو بیچتا ہے، اگرچہ معاملہ کا نام کچھ رکھا جائے۔

بصورت بیع و شراء نکاح کا انسداد کر دیا گیا تو اس کے نتیجہ میں لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کے لئے تحفے تحائف دینے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جو تحائف دولہا یا اس کے گھر والے لڑکی کے لئے بھیجا کرتے تھے، وہ شادی کے وقت لڑکی کو دیئے جانے لگے۔ مسٹر جان۔ ڈی۔ مین نے اسی کو ہندو معاشرت میں

جہیز کی ابتداء قرار دیا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

بالآخر یہ دکھائی دیتا ہے کہ وہ تحائف جو دولھا دیا کرتا تھا دلھن کے فائدے کے لئے قبول کئے جانے لگے اور اس کا جہیز بن گئے۔[۱۴]

مرزا کاظم نے ہندو تمدن میں جہیز کی ابتداء کا جو تصور پیش کیا ہے وہ اس سے مختلف ہے۔ ان کے بقول قدیم زمانہ میں بعض فرقوں (مثلاً فرقہ آسوری وغیرہ) میں یہ دستور تھا کہ عورت کو نیلام پر چڑھایا کرتے تھے۔ جو سب سے زیادہ بولی دیتا وہ اس کو خرید کر بیوی بنا لیتا۔ اس طرح خوبصورت اور حسین لڑکیاں تو بک جاتی تھیں لیکن بدصورت لڑکیوں کو کوئی خریدنے پر تیار نہ ہوتا جس کی وجہ سے ان کے لئے شادی بیاہ کا مسئلہ دردِ سر بنا ہوا تھا۔ چنانچہ ان کے لئے یہ تدبیر کی گئی کہ حسین لڑکیوں کو تو تنہا نیلام کیا جانے لگا اور بدصورت لڑکیوں کو زیور، نقد اور سامان کے ساتھ نیلام کیا جاتا، چنانچہ بہت سے لوگ مال و دولت کی حرص میں ان کو خرید لیتے اور اس طرح ان لڑکیوں کے نکاح کا مسئلہ حل ہو جاتا۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہی رواج تھا جو بڑھتے بڑھتے اب جہیز کے نام سے مشہور ہے جس کے ہاتھوں ہر بیٹی کا باپ بے پناہ مصائب سے دوچار ہے۔[۱۵]

ہندو تہذیب و تمدن میں جہیز کی ابتداء کا سبب چاہے کچھ ہی ہو، لیکن ان تاریخی شواہد سے جو بات واضح طور پر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ قدیم ہندو قانون میں شادی بیاہ باقاعدہ خرید و فروخت کی شکل میں ہوا کرتا تھا اور ایسی صورت میں جہیز دینے کا تصور کسی طرح ذہن میں نہیں آتا۔ ویدا میں' اور اس کے بعد دوسرے مذہبی رہنماؤں نے اس قانون کو ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھا اور اس میں مناسب ترمیمیں کی گئیں۔ بالآخر یہ رواج بڑی حد تک موقوف ہو گیا۔ چنانچہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کو بیچنے کے بجائے ان کے ساتھ میکے سے کچھ دیا جانے لگا اور اس طرح ہندوستانی معاشرت میں اس رسم کی بنیاد پڑ گئی۔

ہندو تہذیب میں رسم جہیز کی تشہیر اور حوصلہ افزائی کے پس منظر میں جس محرک کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اسے ہم ہندوؤں میں عورت کی ذلیل اور پست حیثیت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ہندو معاشرے میں چونکہ عورت کی حیثیت ایک جانور سے زیادہ نہ تھی، بچپن میں والد اور شادی کے بعد شوہر اس کا مختار کل ہوتا تھا، اسے کسی قسم کی آزادی یا مالکانہ حقوق حاصل نہیں تھے اس لئے والدین کی جائداد سے وہ یکسر

محروم ہوتی تھی۔ ماں باپ اور دوسرے عزیز و اقارب کی میراث میں اس کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا اس کی تلافی کے لئے غالباً یہ سوچا گیا کہ ماں باپ کی جائداد میں سے اس کا حصہ بصورتِ جہیز دے دیا جائے اس کے بعد والدین کی جائداد میں اس کا کوئی حق نہیں رہا۔ ہندو معاشرت سے متاثر ہو کر آج برِّ صغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کا ایک بڑا حصہ بھی بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ یہی سلوک کر رہا ہے۔ آج بھی ان کے ہاں عملاً بیٹی کا ماں باپ کی جائداد میں اور بہنوں کا بھائیوں کی جائداد میں کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا مسلمانوں کا یہ طرزِ عمل بلا شبہ اسلامی احکام کی صریح خلاف ورزی ہے۔

مسلمانوں میں جہیز کی ابتداء کب ہوئی اور کیا جہیز سنّتِ رسولؐ ہے؟

ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ ظہورِ اسلام سے قبل جزیرۂ عرب میں اس نام کی کوئی رسم موجود نہیں تھی بلکہ بجائے جہیز دینے کے جاہلی دَور کے عرب لڑکیوں کا حق مہر تک لے کر خود کھا لیا کرتے تھے۔ اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں جہیز کی رسم کب اور کیونکر پیدا ہوئی جبکہ عہدِ جاہلیت میں بھی یہ چیز نہیں تھی۔ اس سوال کے جواب کے لئے جب ہم ذخیرہ احادیث اور کتب تاریخ و سیرت کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمیں صرف دو واقعے صدرِ اسلام میں ایسے ملتے ہیں جنہیں مسلمانوں میں جہیز کی ابتداء اور وجہ جواز قرار دیا جا سکتا ہے بلکہ ان میں بھی بنیادی حیثیت صرف ایک واقعہ کو حاصل ہے، اور وہ ہے جگر گوشۂ رسولؐ فاطمۃ الزہراءؓ کے جہیز کا واقعہ۔ لے دے کے اسی واقعہ کو لوگ مسلمانوں میں جہیز کی ابتداء قرار دیتے ہیں اور اسی سے اس رسم کے جائز بلکہ سنت ہونے پر استدلال کرتے ہیں۔

سب سے پہلے ہم اس واقعہ کا روایات اور تاریخی شواہد کی روشنی میں تجزیہ کرتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ کا نکاح حضرت فاطمہؓ سے کب اور کس حال میں ہوا تھا، اور پھر یہ دیکھتے ہیں کہ اس جہیز کی حقیقت کیا تھی جس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ حضرت فاطمہؓ کو یہ چیزیں دینے کے وجوہ اور عوامل کیا تھے۔

یہ حقیقت دلائل و براہین کی محتاج نہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو دوسرے مہاجرین کی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی اپنا تمام تر مال و دولت مکہ میں چھوڑ کر خالی ہاتھ مدینہ منورہ ہجرت کر آئے تھے۔ آپؓ کی مستقل رہائش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے دولت کدہ پر رہی۔ ۲ھ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ کے بارے میں کوئی جواب نہیں دیا اور دونوں حضرات کے جواب میں آپؐ نے خاموشی اختیار فرمائی، تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے حضرت فاطمہ رضؓ کی بابت آپؐ کو پیغام دیا، جس کو آپؐ نے شرفِ قبولیت بخشا۔ جب دونوں کا نکاح ہو جانا طے پایا تو آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ مہر ادا کرنے کے لئے کچھ پاس ہے یا نہیں۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا، ایک گھوڑا اور ایک زرہ کے سوا میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ زرقانی میں ہے کہ آپؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ گھوڑے کی تو لڑائی میں ضرورت پڑے گی اس کو مت بیچو، البتہ زرہ کو فروخت کر دو۔

علامہ زرقانی نے شرح مواہب میں دو طرح کی روایات نقل کی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے وہ زرہ ہی مہر میں دے دی تھی۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپؓ نے وہ زرہ حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ چار سو اسی درہم (۴۸۰) میں بیچی اور اسی میں سے حضرت فاطمہ رضؓ کا مہر ادا کیا۔

محدثین نے دونوں روایات میں اس طرح تطبیق پیدا کی ہے کہ حضرت علیؓ نے تو وہی زرہ حضرت فاطمہ کو دی تھی، البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ زرہ پھر حضرت علیؓ کو دے کر فروخت کرنے کا حکم فرمایا، چنانچہ حضرت علیؓ نے اسے حضرت عثمان غنی رضؓ کے ہاتھ بیچ دیا۔

شرح مواہب میں ہے:۔

وورد ما یدل لکلا القولین ویشبہ ان العقد وقع علی الدرع وانہ صلی اللہ علیہ وسلم اعطاھا علیاً لیبیعھا فباعھا واتاہ بثمنھا فلا تضاد بین الحدیثین ۱۶	یعنی روایات سے ہر دو اقوال کی تائید ہوتی ہے، لیکن قرین صواب یہ ہے کہ نکاح تو زرہ ہی پر ہوا تھا البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حضرت علیؓ کو بیچنے کے لئے دے دیا۔ آپ نے اسے بیچ کر رقم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لا کر دے دی۔ اس تطبیق سے دونوں روایتوں میں تضاد ختم ہو جاتا ہے

غرض حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ بیچ دی اور قیمت لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کی، تو آپؐ نے اس میں سے کچھ رقم حضرت بلالؓ کو دے کر حکم دیا کہ بازار سے خوشبو کی چیزیں خرید کر لائیں۔ پھر خود نکاح پڑھایا اور حاضرینِ مجلس میں کھجوریں تقسیم ہوئیں۔ نکاح کے تقریباً دس گیارہ ماہ بعد رخصتی ہوئی۔ رخصتی تک حضرت علیؓ کی رہائش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہی، عین رخصتی

کہ وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت علی رضؓ نے حضرت حارثہ بن نعمان رضؓ کا مکان کرایہ پر لیا اور اسی مکان میں آپؐ حضرت فاطمہؓ کو رخصت کراکر لائے۔ اس مرحلہ پر محدثین اور مؤرخین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت فاطمہؓ کو زندگی کی کچھ انتہائی ضروری اشیاء دینے کا ذکر کرتے ہیں، جن کی تفصیل کچھ اس طرح بیان کی جاتی ہے۔

ایک لحاف، ایک چمڑے کا گدا جس میں بجائے روئی کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی، دو چکیاں ایک مشکیزہ اور دو مٹی کے گھڑے تھے[۱]

اس سلسلہ میں جو دوسرا واقعہ بیان کیا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زینبؓ کو ان کی شادی میں ایک قیمتی ہار دیا تھا، جب ان کا شوہر جنگِ بدر میں گرفتار ہوکر آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ رہے تھے تو حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر کو قید سے آزاد کرانے کے لئے فدیہ میں وہی ہار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھجوا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ ہار پہچان لیا اور صحابۂ کرام سے اس کی واپسی کی سفارش فرمائی۔ چنانچہ وہ ہار حضرت زینبؓ کو واپس کر دیا گیا۔

صدر اسلام میں یہی دو واقعے جہیز کے سلسلہ میں مذکور ہیں۔ ان واقعات میں بھی پہلا واقعہ بنیادی اہمیت کا حامل ہے اور جہیز کے جواز بلکہ اس کے سنت ہونے پر اسی واقعہ سے استدلال کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ صدر اسلام میں کوئی واقعہ حدیث یا تاریخ وسیرت کی کتابوں میں نہیں ملتا۔

اب اس مرحلہ پر جو اہم سوال پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دیا تھا، تو کیا آپؐ کی اتباع میں دوسرے مسلمانوں کا اپنی لڑکیوں کو جہیز دینا سنتِ رسولؐ نہیں ہے؟

اس سوال کا جواب بعض علماء نے یہ کہہ کر نفی میں دیا ہے کہ جہیز دینا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔ اس لئے شادی بیاہ کے وقت لڑکیوں کو جہیز دینا سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے اور جن روایات میں جہیز دینے کا ذکر آیا ہے، ان روایات کا جواب وہ یہ کہہ کر دیتے ہیں کہ وہ آپؐ نے اپنی طرف سے نہیں دیا تھا بلکہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وہ زرہ فروخت کر دی جو مہر میں حضرت فاطمہؓ کو دی تھی اور رقم لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کی تو آپؐ نے اسی میں

سے حضرت فاطمہ رضؓ کے جہیز کا سامان تیار کرایا۔ چنانچہ فقہائے کرام کا وہ گروہ (جیسے امام مالکؒ وغیرہ) جو جہیز کو لڑکی پر لازم قرار دیتا ہے، دلیل میں انہی روایات کو پیش کرتا ہے [۱۸]

دوسرے حضرات اس کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ چیزیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے دی تھیں۔ یہ حضرات اپنی تائید میں ان روایات کو پیش کرتے ہیں جن میں جہیز دینے کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔ اسی سلسلہ میں صحیح اسناد کے ساتھ خود صاحب واقعہ حضرت علیؓ سے منقول ہے:۔

عن علی قال: جہز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمۃ فی خمیل و قربۃ و وسادۃ حشوھا اذخر [۱۹]	حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز میں ایک مشک اور تکیہ جس میں اذخر کی گھاس بھری ہوئی تھی اور سیاہ رنگ کی ایک چادر دی۔

یہ اور اس طرح کی دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاطمہ رضؓ کو رخصتی کے وقت جو کچھ آپؐ نے دیا تھا اپنی طرف سے عطا فرمایا تھا۔

علماء کے اس اختلاف کا اصل سبب یہ فقہی بحث ہے کہ جہیز تیار کرانا شرعاً لڑکی کی ذمہ داری ہے یا نہیں؟ جو حضرات جہیز کی تیاری لڑکی کے ذمہ قرار دیتے ہیں وہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر کی رقم سے جہیز تیار کرایا تھا اور جو حضرات اس کو لڑکی کے ذمہ قرار نہیں دیتے وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ چیزیں آپؐ نے مہر کی رقم سے نہیں بلکہ اپنی طرف سے لیکر دی تھیں۔

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چیزیں اپنی طرف سے لے کر دی تھیں تو بھی یہ بات قابل غور ہے کہ حضرت فاطمہ رضؓ کو یہ جہیز دینے کی خصوصیت کیا تھی جبکہ ۲ھ میں حضرت فاطمہ رضؓ کے نکاح کے بعد ۳ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمان غنی رضؓ سے کر دیا تھا، اور حضرت ام کلثومؓ کو آپؐ نے کوئی جہیز نہیں دیا تھا۔

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ حضرت علی رضؓ رخصتی ہونے تک حضورؐ کے دولت کدہ پر مقیم رہے۔ رخصتی کے وقت آپ نے مکان کرایہ پر لیا حضرت فاطمہ رضؓ جس گھر میں رخصت ہو کر جا رہی تھیں وہ گھر زندگی کی انتہائی بنیادی ضروریات سے بھی یکسر خالی تھا۔ اسی بنیاد پر آپؐ نے ان کو فوری ضرورت کی یہ چند چیزیں عطا

فرمائیں۔ کیونکہ ضرورت کے وقت اولاد کی امداد صلہ رحمی کے ساتھ ساتھ اخلاقی فرض بھی ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے (جو اخلاق کے معلمِ اعظم تھے) اس کے خلاف کیسے توقع رکھی جاسکتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اس لینے دینے کا اصل سبب انتہائی احتیاج تھا، نہ یہ کہ اسلام میں ایک نئی رسم کی بنیاد ڈالنی تھی۔ حضرت ام کلثومؓ جس گھر میں بیاہ کر جا رہی تھیں، وہاں ان چیزوں کی ضرورت نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپؐ نے ان کو کوئی جہیز نہیں دیا۔

پھر مزید یہ کہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں بے شمار شادیاں ہوئیں، کسی شادی میں جہیز کا کوئی ذکر نہیں۔ آپؐ کے بعد بھی صحابۂ کرام کا یہی طرز عمل رہا۔ جس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے اس فعل کو سنت یا واجب الاتباع نہیں سمجھا تھا، اگر شادی بیاہ کے وقت لڑکیوں کو جہیز دینے کی کوئی بھی مذہبی اور دینی حیثیت ہوتی تو صحابۂ کرام اس پر ضرور عمل کرتے جبکہ صحابۂ کرام آپؐ کی ایک ایک بات کی پیروی کو اپنی سعادت سمجھتے تھے تو اس کا یہی مطلب ہوا کہ اس رسم کی کوئی دینی اور مذہبی حیثیت ان کے ذہن میں نہیں تھی۔ یہی وجہ ہے کہ متأخرین علماء نے جہیز کی رسم کو زمانہ اور عرف کی پیداوار قرار دیا ہے۔

فقہ السنۃ کے مؤلف لکھتے ہیں:۔

وهذا مجرد عرف جرى عليه الناس ؎	یعنی جہیز دینا محض عرف کی پیداوار ہے جسے لوگوں نے اپنا لیا ہے۔

جب اسلام دنیا کے مختلف اطراف میں پھیلتا چلا گیا، مختلف تہذیبیں اسلام کے زیر اثر آئیں تو جب تک مسلمانوں میں اسلامی حمیت کا بھرپور جذبہ موجود تھا، اسلام کسی اجنبی ثقافت و تہذیب سے متاثر نہیں ہوا لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا، مسلمانوں میں اسلامی حمیت کم ہوتی چلی گئی۔ اس کے بعد بہت سی اجنبی رسوم و عادات کو انھوں نے اپنی تہذیب و ثقافت کا جزو بنا لیا۔

برِّ صغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کا بھی کچھ یہی حال تھا، اس علاقہ کا بیشتر حصہ پہلی صدی ہجری ہی میں مسلمانوں کے قبضے میں آگیا تھا۔ کئی صدیوں تک انھوں نے شان و شوکت سے برِّ صغیر پر نہ صرف حکومت کی بلکہ ہندوستان کو علم و ہنر اور تہذیب و ثقافت سے مالا مال کر دیا۔ مگر رفتہ رفتہ یہاں کے مسلمان حکمران اپنے سیاسی اغراض و مقاصد کے حصول کے لئے مقامی تہذیب و ثقافت کو آگے بڑھنے

کے مواقع فراہم کرنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیدائش سے لے کر مرنے تک مقامی رسوم مسلمانوں کی زندگی کا حصہ بن کر رہ گئیں۔ برصغیر کے اسلامی دَور کی تاریخ پر نظر رکھنے والوں سے یہ مخفی نہیں کہ کس طرح ان لوگوں نے اپنی مصلحتوں کے لئے اسلامی ثقافت کا خون کیا۔ اس لئے یہ دعویٰ سے کہا جا سکتا ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے یہ رسم بھی اس کی موجودہ صورت میں دوسری بے شمار رسوم کی طرح یہاں کی ہندو معاشرت سے اخذ کی ہے۔ یہاں کے مسلمانوں کے شادی بیاہ میں جتنی بھی رسومات ادا کی جاتی ہیں، ان میں کتنی رسوم ایسی ہیں جنہیں اسلامی رسوم کہا جا سکتا ہے؟ شادی بیاہ کے مواقع پر یہاں کے مسلمان بے شمار ایسی رسمیں بجا لاتے ہیں جن کے خالص ہندوانہ رسوم ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ برصغیر کے بعض اہلِ علم حضرات نے جہیز کی رسم کو بھی خالص ہندوستانی رسم قرار دیا ہے۔ مولوی سید لطف علی شاہ، ہندوستانی مسلمانوں کے شادی بیاہ میں ہندوستانی رسوم ادا کرنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اما جہیز بر آن اضافہ نمایند و جہیز موقوف بر دستگاہ پدر عروس است ..... ! و جہیز ازیں زیادہ و کم ہم می باشد۔	اور جہیز ان رسومات پر مزید اضافہ ہے اور جہیز کی مقدار دلہن کے والد کی مالی حالت پر موقوف ہوتی ہے ..... جہیز اس سے کم و بیش بھی دیا جاتا ہے۔

اور آخر میں لکھتے ہیں:۔

اگرچہ ایں فقیر در ہیچ جا در رسوم غیر مشروع شادی ہائے مردم ہند حاضر نگشتہ اما آنچہ شنفتہ تحریر کردہ تا کہ شما از رسوم غیر مشروع مسلمانان ہندوستان واقف شوند۔ [۱۲]	یعنی اگرچہ یہ فقیر ہندوستانیوں کے شادی بیاہ کے غیر مشروع رسومات میں کہیں بھی شریک نہیں ہوا ہے تاہم جو کچھ اوپر لکھ دیا ہے یہ محض اس لئے تاکہ آپ ہندوستانی مسلمانوں کے غیر مشروع رسوم سے واقف ہو جائیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں یہ رسم ہندو معاشرت سے لی گئی ہے۔ اس کو حسنِ اتفاق کہیئے یا شومئی قسمت کہ اس رسم کے جواز کے لئے اسلامی معاشرے میں بھی ایک دو مثالیں ان لوگوں کو مل گئی ہیں۔ اس میں کلام نہیں کہ اپنی اولاد کو کچھ دینا اسلامی تعلیمات کی رُو سے نہ صرف یہ کہ جائز بلکہ مستحب ہے اور صلہ رحمی کی اسلام میں سخت تاکید آئی ہے، مگر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا ہماری اس رسم میں بھی مسلمان یہی سوچ کر اور اسی نیت سے کچھ دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ہمارے ہاں اس میں

سوائے نمود و نمائش، مباہات اور محض ایک رسم بجالانے کے اور کوئی نیت نہیں ہوتی، اولاد سے نیکی اور صلہ رحمی کا تو نام و نشان کیا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ اسلئے اس بیہودہ حرکت کو اسلامی رسومات کے زمرہ میں شمار کرنا، اسلامی تعلیمات کی توہین ہے۔ اسلام کبھی ایسے لغو افعال کی اجازت نہیں دیتا۔

جہیز فقہاء اور محدثین کی نظر میں

جیساکہ ہم پہلے واضح کرچکے ہیں خیرالقرون میں جہیز کی رسم مسلمانوں میں شامل نہیں تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ جب مسلمانوں میں شادی بیاہ کے وقت لڑکیوں کو جہیز دینا شروع ہوا تو فقہاء کو اس کے احکام کی توضیح و تشریح کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ انھوں نے اس کے احکام کی نشاندہی کی اور اس کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کی۔ فقہی نقطہ نظر سے جہیز کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ جہیز کس کی ذمہ داری ہے، دوم یہ کہ اس کے جزوی احکام کیا ہیں۔ چونکہ دوسرا پہلو ہمارے موضوع بحث سے غیر متعلق ہے اس لئے ہم یہاں صرف پہلی شق کی وضاحت پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس پر ائمہ اربعہ اور دوسرے اہل علم کا اتفاق ہے کہ شادی بیاہ کے وقت لڑکی کو میکے سے جہیز دینا والدین کی ذمہ داری نہیں ہے، کیونکہ اسلامی تعلیمات میں کوئی ایسا حکم موجود نہیں جس سے یہ ثابت ہوسکے کہ جہیز کی تیاری والدین کی ذمہ داری ہے، اس لئے نہ تو ان کو جہیز کی تیاری پر مجبور کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کوئی ان سے اس کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ والدین خالص صلہ رحمی کی نیت سے کچھ دیں تو یہ محض تبرعا و احسان ہوگا۔

فقہاء مالکیہ اور بعض دوسرے علماء جہیز کی تیاری لڑکی کے ذمہ قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ مرد کی طرف سے عورت کو جو مہر دیا جاتا ہے وہ اسی میں سے اپنا جہیز تیار کرائے گی اور یہ اس کی شرعی ذمہ داری ہے۔ کیونکہ مہر دینے کا مقصد یہی ہے کہ عورت میکے سے پوری طرح تیار ہوکر آئے، جس میں گھریلو استعمال کی چیزیں وغیرہ بھی داخل ہیں۔ مگر اس کے لئے بھی ان کے یہاں چند شرائط ہیں۔ مثلاً یہ کہ مہر لڑکی کو رخصتی سے پہلے دیا گیا ہو۔ دوم یہ کہ مہر از قسم نقود ہو۔ سوم یہ کہ مہر رخصتی سے قبل تو نہ دیا ہو لیکن عرفاً ایسی صورت میں بھی عام طور پر لڑکیاں اپنا جہیز تیار کرتی ہوں، تو ایسی صورت میں بھی لڑکی اپنا جہیز تیار کرے گی۔

جیساکہ ہم پہلے اجمالاً بتاچکے ہیں، یہ حضرات جہیز کو مہر کے مقابلہ میں لازم قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ مرد عورت کو مہر دیتا ہے اس لئے عورت کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس مہر کے عوض شوہر کے لئے جہیز تیار کرے، یہ حضرات اپنے استدلال میں اسی روایت کو پیش کرتے ہیں جس میں اس کا

ذکر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کو مہر کی رقم سے یہ چیزیں خرید کر دی تھیں۔ چنانچہ آج بھی بہت سے عرب ممالک کے مسلمانوں میں یہی دستور رائج ہے کہ لڑکی کا حق مہر رخصتی سے پہلے لیا جاتا ہے اور پھر اسی میں سے جہیز تیار کرایا جاتا ہے۔ محمد زید الابیانی لکھتے ہیں :۔

فان اشتری الاب بالمهر جهازا لابنته کما هی العادة الجاریه [۲۲] — یعنی اگر باپ نے لڑکی کے لئے مہر کی رقم سے جہیز کا سامان خریدا جیسا کہ عام طور پر لوگ اسی طرح کرتے ہیں۔

لیکن حنفیہ، شوافع اور دوسرے علماء نیز امامیہ کے نزدیک جہیز جیسے والدین پر لازم نہیں، اسی طرح لڑکی پر بھی جہیز کی تیاری لازم نہیں ہے۔

جمہور فقہاء کا استدلال یہ ہے کہ مہر عورت کا حق ہے اور یہ جہیز کا عوض نہیں ہے بلکہ عورت کے تسلیم نفس کا عوض ہے۔ عورت کے استحقاق مہر کا اس کے علاوہ اور کوئی شرعی سبب نہیں ہے۔ لہٰذا مہر کے عوض جہیز ضروری قرار دینا قرآن و سنت کے صریح خلاف ہے۔

قرآن کریم کی متعدد آیات اور بکثرت احادیث صحیحہ سے جمہور کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ مہر عورت کا حق ہے اور اس کے استعمال میں اسے مکمل آزادی حاصل ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے :۔

وآتوا النساء صدقاتهن نحلة فان طبن لکم عن شئ منه نفسا فکلوه هنیئا مریا۔ [۲۳] — اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اسے شوق سے کھاؤ۔

اور صحیح حدیث میں ہے :

الا لا یحل مال امرء الا بطیب نفس منه۔ [۲۴] خبردار کسی کا مال بغیر اس کی خوشی کے کھانا حلال نہیں ہے۔

قرآن و سنت کے ان صریح احکامات کی بناء پر جمہور کا مسلک ہی صحیح ہے کہ مہر عورت کا حق ہے اور اس کو اس میں آزادانہ تصرّف کا مکمل اختیار حاصل ہے اس لئے گھریلو ضروریات کی اشیاء کی فراہمی شوہر کی ذمہ داری ہے اور اس کا حکم عام نفقہ کی طرح ہے، یعنی جس طرح شوہر پر بیوی کا نان و نفقہ اور رہنے کے لئے مکان مہیا کرنا لازم ہے اسی طرح گھریلو ضروریات کی چیزیں فراہم کرنا بھی اس کے فرائض میں داخل ہے۔ [۲۵]

حاصل یہ کہ جمہور فقہاء و محدثین نہ تو والدین کے ذمّہ جہیز ضروری قرار دیتے ہیں، نہ لڑکی کے ذمّہ

بلکہ ایسی سب چیزیں شوہر کے فرائض میں داخل شمار کرتے ہیں، مہر کو عورت کا حق قرار دیتے ہیں۔ قرآن و سنت کے صریح احکامات کی روشنی میں وہ عورت کو اپنے مہر کے بارے میں دوسرے اموال کی طرح ہر قسم کے تصرف کا آزادانہ حق دیتے ہیں۔ عورت کی مرضی اور اجازت کے بغیر شوہر بلکہ والدین کے تصرف کو بھی ناجائز اور غصب قرار دیتے ہیں۔ البتہ مالکیہ مندرجہ بالا شرائط کے ساتھ جہیز کی تیاری لڑکی کے ذمہ قرار دیتے ہیں۔

مراجع

۱ لسان العرب، ص ۱۹۰، ج ۷

۲ اقرب الموارد، ص ۳۴۶، ج ۱، نیز ملاحظہ ہو احمد عطیۃ اللہ القاموس الاسلامی، ص ۴۴۵، ج ۱

۳ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا، ۱۷۶۸ء لفظ DOWRY کے تحت۔

۴ العرب قبل الاسلام، ص ۴۴، ج ۱

۵ 〃 〃 〃، ص ۴۵، ج ۱

۶ 〃 〃 〃 〃 〃

۷ تاریخ اخلاق یورپ، ترجمہ ہسٹری آف یورپین مارلس، ص ۲۳۷، ج ۲۔

۸ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۲۵۰، ج ۲۔

۹ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص ۲۶۱، ج ۲۔

۱۰ جواد علی، تاریخ العرب قبل الاسلام، ص ۲۶۸، ج ۵

۱۱ اعانۃ الطالبین، ص ۳۴۵، ج ۳

۱۲ دول العرب قبل الاسلام، ص ۷۶، ابن منظور، لسان العرب، ص ۲۰۵، ج ۳ منتہی الارب ص ۳۲۶، ج ۴۔

۱۳ قانون و رواج ہنود، ص ۱۲۰، ج ۱۔

۱۴ 〃 〃 〃 〃 〃

۱۵ تفصیل کے لئے دیکھئے، تاریخ الہند، از مرزا کاظم برلاس مراد آبادی، ص ۴۰۹ - ۴۰۸، ج ۳۔

۱۶ زرقانی، ص ۳، ج ۲

۱۷ رواہ احمد، الترغیب والترہیب المنذری، ص ۲۶۰، ج ۲، اصابہ، ص ۳۷۹، ج ۴، ترجمہ فاطمۃ الزہراء۔

۱۸ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، المحلی، ابن حزم، ص ۵۰۹، ج ۹۔

۱۹ مسند احمد بن حنبل، ص ۵۷، ج ۲۔ نسائی ص ۹۲، ج ۲۔ المستدرک للحاکم ص ۱۸۵، ج ۲۔

۲۰ فقہ السنۃ، ص ۹۰، ج ۷۔

۲۱ ارمغان ہندوستان۔ ص ۱۰۶-۱۰۵۔

۲۲ شرح احکام الشرعیہ، ص ۱۷۴، ج ۱۔

۲۳ سورۃ نساء، آیت ۴۔

۲۴ مشکوٰۃ، باب الغصب، ص ۲۵۵

۲۵ تفصیل کے لئے دیکھئے، کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ص ۱۷۵، ج ۴۔ احکام الشریعۃ الاسلامیۃ، ص ۳۲۔ الاحوال الشخصیۃ فی الشریعۃ الاسلامیۃ۔ از محمد محی الدین عبدالحمید ص ۲۳۰۔ القاموس الاسلامی۔ از احمد عطیۃ اللہ، ص ۵۴۶، ج ۱۔